Rooh-e-Tahqeeq, Vol.04, No.01, Serial No. 11, January – March 2026

# The Methodology of Imam Bukhari in Narration and Shia Narrators: An Analytical Study of Al-Jami‘ al-Sahih

# امام بخاری کا منہجِ روایت اور شیعہ رواۃ: الجامع الصحیح کا تحلیلی جائزہ

**Muhammad Ali Hameed**
PhD Research Scholar (Islamic Studies), NCBA&E Lahore, Multan Sub Campus
MAliHameed122310345@ncbaemultan.edu.pk

**Prof. Dr. Muhammad Hussain Azad**
HOD, Department of Islamic Studies, NCBA&E Lahore, Multan Sub Campus
drhussain.mul@ncbae.edu.pk

**Abstract:**
This study examines Imam al-Bukhari’s methodology in narration, with a special focus on his treatment of Shia narrators in *Sahih al-Bukhari*. This study also analyzes the principles and criteria employed by Imam al-Bukhari in selecting, verifying, and authenticating narrators, emphasizing the distinction he maintained between reliability, piety, and doctrinal adherence. By reviewing classical biographical sources (*rijal*) and cross-referencing narrations within *Sahih al-Bukhari*, the present study investigates how narrators with Shia affiliations were handled, including cases of weak or controversial transmitters. It also highlights Imam al-Bukhari’s scholarly rigor, objectivity, and adherence to the standards of criticism on hadith along with provision of insights into his critical evaluation process. Furthermore, it also contributes to a deeper understanding of *Sahih al-Bukhari*’s methodology and the nuanced approach toward narrators of different sectarian backgrounds.

**Keywords:** Imam al-Bukhari’s, Hadith Methodology, Shia narrators

اللہ تعالی نے امت مسلمہ کی رشد و ہدایت کے لیے شریعت اسلامیہ کے دو بنیادی مصادر کتاب و سنت مقرر فرمائے ہیں۔ دونوں کا منبع اگرچہ اللہ تعالی ہی کی ذات ہے لیکن ان کا ظہور محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔ اللہ تعالی نے دونوں تعلیمات کو روز قیامت تک محفوظ رکھنے کا نہ صرف وعدہ فرمایا بلکہ اس کے لیے ایسے ذرائع اختیار کیے کہ اتنی صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی اپنی اصلی شکل موجود ہیں۔ حفاظت حدیث کے لیے اللہ تعالی نے محدثین کی شکل میں بعض ایسے خوش قسمت افراد پیدا فرمائے جنہوں نے حق و باطل، صحیح، ضعیف و موضوع احادیث میں تفریق قائم کرکے اور قیامت تک کے لیے حدیث نبوی ﷺ کو اس طرح محفوظ کر دیا کہ کوئی بھی انسان اگر تھوڑی سی جدوجہد کرکے کتب رجال اور فن جرح و تعدیل سے لگاؤ پیدا کرلے تو بآسانی یہ معلوم کر سکتا ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح اور قابل عمل ہے یا نہیں؟ محدثین کی یہ کاوشیں بارآور ثابت ہوئیں اور قیامت تک کے لیے ایک ذخیرہ حدیث محفوظ ہو گیا۔ علم حدیث میں انجام دیے گئے کارہائے نمایاں میں سے ایک صحیح بخاری کی صورت میں صحیح احادیث کا الگ مجموعہ مرتب کرنا بھی ہے۔ بلاشبہ دور تدوین حدیث کی سب سے مشہور اور صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہی ہے جس کی صحت پر اجماع ہے اور جس کی نسبت یہ قول زبان زد عام ہے "أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللهِ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ" (یعنی آسمان کی چھت کے نیچے کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے) محدثین نے حدیث اور راوی کی قبولیت کے لیے مختلف شرائط اور اصول وضع کیے، انہوں نے حدیث کو دو قسموں (مقبول و مردود) میں تقسیم کیا اور عمل بالحدیث کو حدیث مقبول کے ساتھ مشروط کیا۔ محدثین نے

جو جدوجہد، محنت اور کاوشیں حفاظت حدیث کے لیے صرف کی ہیں انہیں دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے، انہوں نے شرق وغرب کے لاتعداد سفر کیے اور سینکڑوں کتب کی صورت میں لاکھوں صفحات پر مشتمل نا صرف تمام صحیح احادیث کی تدوین کر دی ہے بلکہ انہوں نے کسی بھی قسم کا امتیاز کیے بغیر انصاف کے ترازو کو ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دیا۔ ان کے وضع کیے گئے اصولوں پر اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود کوئی بھی ان سے بہتر اصول تحقیق و نقد وضع نہیں کر سکا۔

بعض ناقدین محدثین کی ان خدمات کو خراج تحسین پیش کرنا تو درکنار ان کی محنتوں کو داغدار کرنے کے درپے ہیں اور یہ لکھنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ: "تابعین و تبع تابعین میں جو راویان حدیث تھے ان میں متشیعین بہت تھے۔" اور بڑی بے باکی سے کہہ دیتے ہیں کہ: "روایتوں کے لالچ میں آکر شیعوں اور روافض کے تشیع و رفض کو کمزور کر کے آئمہ حدیث ان سے روایات لیا کرتے تھے" ایسی صورت میں ضرورت اس امر کی ہے کہ شیعہ و اہل تشیع سے اخذ حدیث میں امام بخاری کے منہج کو سمجھا اور حقیقت آشکار کی جائے۔ اہل تشیع بعض بدعتی بھی ہوتے ہیں تو بدعتی کے حوالہ سے بھی گزارشات پیش کی جائیں گی (کہ کس بدعتی کی روایت قبول ہے اور کس کی نہیں اور کیوں؟) تاکہ اصل بات کو سمجھنے میں آسانی بہم پہنچے۔

**حدیث مقبول کی شرائط**

کسی بھی حدیث کے مقبول اور قابل عمل ہونے کے لیے محدثین نے درج ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

"عدالت راوی، ضبط راوی، اتصال سند، عدم شذوذ، علت قادحہ کا فقدان اور بوقت احتیاج متابع یا شاہد میں سے کسی مؤید کا وجود۔" (۲)

**مقبول راوی کے اوصاف و شرائط**

مختلف محدثین نے صحت حدیث کے لیے راوی کی شرائط و اوصاف کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ مثلاً:

کمزور حافظے والے سے روایت نہ لی جائے۔(۳) راوی کی نماز اور سیرت و کردار کو دیکھنا چاہیے۔(۴) زیادہ غلطی کرنے والا نہ ہو، متہم بالکذب نہ ہو، غلطی تسلیم کرنے والا ہو۔(۵) غلطیاں نہ کرتا ہو اور روایات لکھتا ہو۔(۶) جس کو پتا ہو کہ کب کس سے کیا سنا، سچا ہو، قابل اعتماد ہو اور جس دن حدیث کو بیان کرے تب بھی جانتا ہو کہ کیا بیان کر رہا ہو۔(۷) اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ محدثین کے نزدیک قبولیت حدیث کے لیے جن صفات کا ہونا لازم ہے وہ عدالت اور ضبط دو صفات ہیں۔ ابن الصلاح رقمطراز ہیں:

"أَجْمَعَ جَمَاهِيرُ أَئِمَّةِ الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ عَلَى أَنَّهُ يُشْتَرَطُ فِيمَنْ يُحْتَجُّ بِرِوَايَتِهِ أَنْ يَكُونَ عَدْلًا ضَابِطًا لِمَا يَرْوِيه" (۸)

ترجمہ: "جمہور محدثین و فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ راوی سے روایت لینے کے لیے شرط ہے کہ وہ عادل ہو اور جو روایت بیان کر رہا ہے اسے یاد رکھنے والا ہو۔"

**عدالت کے لغوی و اصطلاحی معنی**

عربی لغت میں لفظ "عدالت" مصدر کا صیغہ ہے جو "عدل" سے ماخوذ ہے جس کے معانی ہیں جو رو ظلم کے متضاد معاملہ جس کا ٹھیک اور درست ہونا دل میں راسخ ہو۔ آسان الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے معنی انصاف کرنے کے ہیں۔ جس کی گواہی معتبر ہو اس کے لیے "رَجُلٌ عَدْلٌ" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی سے لفظ

"العدالة" ہے جس کے معنی انصاف پرور یا قابل اعتبار کے ہیں۔(۹)

محدثین نے عدالت راوی کی مختلف اصطلاحی تعریفات بیان کی ہیں:

عبداللہ بن مبارک(م۱۸۱ھ) کہتے ہیں: "مَنۡ كَانَ فِيهِ خَمۡسُ خِصَالٍ: يَشۡهَدُ الۡجَمَاعَةَ، وَلَا يَشۡرَبُ هٰذَا الشَّرَابَ، وَلَا يَكُونُ فِي دِينِهِ خَرۡبَةٌ، وَلَا يَكۡذِبُ، وَلَا يَكُونُ فِي عَقۡلِهِ شَيۡءٌ" (۱۰)

ترجمہ: "عادل راوی میں پانچ صفات ہوتی ہیں: نماز باجماعت کا پابند ہو، شراب نوشی نہ کرتا ہو، اس کے دین میں کوئی عیب نہ ہو، دجل گو نہ ہو اور نہ ہی اس کی عقل و فہم میں کوئی نقص ہو۔"

خطیب بغدادی(م۴۶۳ھ) لکھتے ہیں: "إِنَّ الۡعَدۡلَ هُوَ مَنۡ عُرِفَ بِأَدَاءِ فَرَائِضِهِ، وَلُزُومِ مَا أُمِرَ بِهِ، وَتَوَقِّي مَا نُهِيَ عَنۡهُ، وَتَجَنُّبِ الۡفَوَاحِشِ الۡمُسۡقِطَةِ، وَتَحَرِّي الۡحَقِّ وَالۡوَاجِبِ فِي أَفۡعَالِهِ وَمُعَامَلَتِهِ، وَالتَّوَقِّي فِي لَفۡظِهِ مَا يَثۡلِمُ الدِّينَ وَالۡمُرُوءَةَ، فَمَنۡ كَانَتۡ هٰذِهِ حَالَهُ فَهُوَ الۡمَوۡصُوفُ بِأَنَّهُ عَدۡلٌ فِي دِينِهِ، وَمَعۡرُوفٌ بِالصِّدۡقِ فِي حَدِيثِهِ" (۱۱)

ترجمہ: "عادل راوی وہ ہے جو اپنے فرائض میں کامل، احکام پر کاربند، منہیات سے دور، فواحش سے مجتنب، اپنے اعمال و معاملات میں طالب حق اور دین و اخلاق میں رخنہ اندازی کا سبب بننے والی گفتگو سے بچنے میں معروف ہو۔ جس شخص کا یہ کردار ہو وہی اپنے دین میں عادل اور روایت میں صدق سے متصف ہو گا۔"

خلاصۃً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ: بندہ متقی، اخلاقیات کا پابند، دین حق میں راست رو، کبائر کا ارتکاب اور صغائر پر اصرار نہ کرنے والا ہو اور غیر اخلاقی حرکات و سکنات سے مکمل پرہیز کرنے والا ہو۔ معصیت سے کوئی بھی پاک نہیں۔ اگر کسی راوی کے محاسن اس کے معاصی سے زیادہ ہوں اور اس میں عدل کی خوبیاں پائی جائیں تو اسے عادل قرار دیا جائے گا۔(۱۲)

## عدالت راوی میں طعن کے اسباب

کسی بھی راوی میں اگر درج ذیل امور پائے جاتے ہیں تو اس کی عدالت معتبر نہیں:

(أ) کذب: وہ راوی جو جان بوجھ کر نبی اکرم ﷺ سے ایسا قول، فعل یا تقریر نقل کرے جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی۔

(ب) تہمت بالکذب: جو عام گفتگو میں جھوٹ بولنے میں معروف ہو اور ساتھ ساتھ یہ احتمال بھی موجود ہو کہ یہ شخص حدیث نبوی ﷺ میں بھی جھوٹ بول سکتا ہے۔

(ج) فسق: وہ راوی جو کبیرہ گناہ کا ارتکاب اور صغیرہ گناہ پر اصرار کرتا ہو۔

(د) جہالت: راوی کی ذاتی شخصیت اور اس کے احوال سے عدم معرفت؛ یعنی راوی کی معین جرح و تعدیل معلوم نہ ہو۔

(ھ) بدعت: راوی اپنے اقوال و افعال میں بدعت پر عمل پیرا ہو۔ (شیعیت بھی اس قسم میں آ جاتی ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ آ رہی ہے)

## مبتدع کی روایت کا حکم

مبتدع کی روایت کو رد کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہر مبتدع اس کی زد میں آئے گا جیسا کہ بعض نام نہاد باور کراتے ہیں۔ مبتدع کی روایت کے حوالہ سے دو باتیں مدنظر رہنی چاہئیں: ہر بدعت اپنی قباحت و شناعت میں دوسری سے مختلف ہوتی ہے اور ہر بدعتی کا اپنی بدعت سے لگاؤ، اس پر عمل اور اس کی خاطر کسی حد تک جانے کے معاملے میں دوسروں سے مختلف ہوتا ہے، یعنی بدعات اور مبتدعین کے درجات ہیں۔ مبتدعین بھی اپنے اعتقادات اور افکار و نظریات میں یکساں

نہیں ہوتے؛ بعض اسلام کے لبادے میں دشمنِ اسلام ہوتے ہیں اور اپنی بدعات کی تائید میں احادیث گھڑتے ہیں۔ بعض دشمن تو نہیں ہوتے لیکن اپنی بدعت کی تائید میں کذب بیانی کو جائز سمجھتے ہیں۔ بعض محبانِ اسلام ہوتے ہیں لیکن کسی دوسرے کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور ان کے دلوں میں احادیث کا احترام بھی ہوتا ہے اور یہ لوگ کذب بیانی کے انجام سے بھی خائف ہوتے ہیں۔ مزید برآں وہ احادیث کے ایک بہت بڑے ذخیرے کے ناقل راوی ہیں تو اگر ان کی احادیث کو رد کر دیا جائے تو احکام و مسائل سے متعلقہ کثیر تعداد میں احادیث سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔

اسی وجہ سے امام علی بن المدینیؒ (م۲۳۴ھ) کہتے ہیں: "لَوْ تَرَكْتُ أَهْلَ الْبَصْرَةِ لِلْقَدَرِ، وَتَرَكْتُ أَهْلَ الْكُوفَةِ لِلتَّشَيُّعِ، لَخَرِبَتِ الْكُتُبُ" (۱۳)

ترجمہ: "اگر اہل بصرہ کو تقدیر اور اہل کوفہ کو تشیع کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے تو کتب احادیث برباد ہو جائیں۔"

امام ذہبی (م۷۴۸ھ) بغیر غلو و تحریف والی تشیع کے متعلق لکھتے ہیں: "فَهَذَا كَثِيرٌ فِي التَّابِعِينَ وَتَابِعِيهِمْ مَعَ الدِّينِ وَالْوَرَعِ وَالصِّدْقِ، فَلَوْ رُدَّ حَدِيثُ هَؤُلَاءِ لَذَهَبَتْ جُمْلَةٌ مِنَ الْآثَارِ النَّبَوِيَّةِ وَهَذِهِ مُفْسِدَةٌ بَيِّنَةٌ" (۱۴)

ترجمہ: "یہ بدعت تو کثیر تابعین اور تبع تابعین میں ان کی دینداری، تقوی شعاری اور صداقت کے باجود پائی جاتی تھی، تو اگر ان سب کی احادیث کو رد کر دیا جائے تو احادیث نبویہ ﷺ کا بہت سارا حصہ ضائع و برباد ہو جائے گا جو واضح فساد اور خرابی ہے۔"

## کس بدعتی کی روایت کا اعتبار ہے؟

محدثین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مبتدع اپنی بدعت کا داعی ہو اور اس کی بدعت ایسی ہو کہ جس کی وجہ سے اسے کافر کہا جائے یا وہ شخص اپنے مخالف کو گمراہ و کافر سمجھتا ہو تو ایسے راوی کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور جو شخص اپنی بدعت کا داعی نہ ہو اور نہ ہی وہ ایسی روایت بیان کر رہا ہو جس سے اس کی بدعت کو سہارا مل رہا ہو تو اگر ایسا راوی عادل ہو تو اس کی روایت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جیسا کہ امام عبد اللہ بن مبارکؒ (م۱۸۱ھ) کہتے ہیں: "يُكْتَبُ الْحَدِيثُ إِلَّا عَنْ أَرْبَعَةٍ: غَلَّاطٍ لَا يَرْجِعُ، وَكَذَّابٍ، وَصَاحِبِ هَوًى يَدْعُو إِلَى بِدْعَتِهِ، وَرَجُلٍ لَا يَحْفَظُ فَيُحَدِّثُ مِمَّا حَفِظَهُ" (۱۵)

امام عبد الرحمن بن مھدی (م۱۹۸ھ) کا قول ہے: "ثَلَاثَةٌ لَا يُؤْخَذُ عَنْهُمْ: الْمُتَّهَمُ بِالْكَذِبِ، وَصَاحِبُ بِدْعَةٍ إِلَى بِدْعَتِهِ، وَالرَّجُلُ الْغَالِبُ عَلَيْهِ الْوَهْمُ وَالْغَلَطُ" (۱۶)

امام مسلم (م۲۶۱ھ) مقدمہ صحیح مسلم میں لکھتے ہیں: "وَأَنْ يَتَّقِيَ مِنْهَا مَا كَانَ مِنْهَا عَنْ أَهْلِ التُّهَمِ وَالْمُعَانِدِينَ مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ" (۱۷)

انہی اسباب کو مدنظر رکھ کر محدثین بدعت مکفرہ (جس کے مرتکب کو کافر کہا جا سکتا ہے) کے مرتکب راوی کی روایت کو رد کرتے ہیں اور بدعت مفسقہ والے کی روایت کو لینے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنی بدعت کا داعی ہو گا تو روایت مردود ہو گی اور داعی نہیں مگر جو روایت بیان کر رہا ہے اس سے اس کی بدعت کی تائید ہوتی ہے تو وہ بھی قبول نہ ہو گی۔ اور اگر وہ داعی بھی نہیں اور روایت بھی بدعت کی تائید میں نہیں تو قبول کی جائے گی۔

## شیعہ کا تعارف

شیعہ کے لغوی معنی اتباع اور اطاعت کے ہیں، چنانچہ کسی آدمی کے پیروکاروں، ساتھیوں اور معاونین کے لیے عرب لوگ "شِيعَةُ الرَّجُلِ" کے الفاظ بولتے ہیں۔ (۱۸) لغت عرب میں اگرچہ شیعہ پیروکار اور مددگار کے معنی میں

استعمال ہوتا ہے لیکن بعد میں ایک مخصوص گروہ اور جماعت کے لیے لفظ شیعہ بطور نام کے استعمال ہونے لگا۔(۱۹) چنانچہ مختلف اہل علم نے اس لفظ کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں:۔

امام ابن حزم (م ۴۵۶ھ) رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "مَنْ وَافَقَ الشِّيعَةَ فِي أَنَّ عَلِيًّا أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَأَحَقُّهُمْ بِالْإِمَامَةِ وَوَلَدُهُ مِنْ بَعْدِهِ فَهُوَ شِيعِيٌّ "(۲۰)

ترجمہ: "جو شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل، امامت کا زیادہ حق دار اور ان کے بعد ان کی اولاد کو امامت کا مستحق ماننے میں شیعہ کی موافقت کرتا ہے تو وہ شیعہ ہے" (اگرچہ باقی مسائل میں شیعہ کے مخالف ہی کیوں نہ ہو (۲۱)")

امام ابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں: "وَأَصْلُ الشِّيعَةِ الْفِرْقَةُ مِنَ النَّاسِ، وَقَدْ غَلَبَ هَذَا الاسْمُ عَلَى كُلِّ مَنْ يَزْعُمُ أَنَّهُ يَتَوَلَّى عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَهْلَ بَيْتِهِ، حَتَّى صَارَ لَهُمُ اسْمًا خَاصًّا" (۲۲)

ترجمہ: "شیعہ کا حقیقی معنی لوگوں کا ایک گروہ ہے۔ اب یہ نام زیادہ تر ہر اس آدمی پر بولا جاتا ہے جسے یہ زعم ہے کہ وہ سیدنا علی اور ان کے اہل بیت سے محبت وعقیدت رکھتا ہے، اب تو یہ انہی کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے۔"

امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں: "كَانَتِ الشِّيعَةُ الْمُتَقَدِّمُونَ الَّذِينَ صَحِبُوا عَلِيًّا أَوْ كَانُوا فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ لَمْ يَتَنَازَعُوا فِي تَفْضِيلِ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ وَإِنَّمَا كَانَ نِزَاعُهُمْ فِي تَفْضِيلِ عَلِيٍّ، وَعُثْمَانَ، وَهَذَا مِمَّا يَعْتَرِفُ بِهِ"(۲۳)

ترجمہ: "(ابتدائی) شیعہ وہ تھے جو (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہے یا انہوں نے ان کا زمانہ پایا، انہوں نے (سیدنا) ابو بکرؓ و عمرؓ کی فضیلت میں اختلاف نہیں کیا، اور ان کا اختلاف (سیدنا) علیؓ و عثمانؓ کی (فضیلت) کے بارے میں تھا اور یہ چیز وہ تسلیم کرتے ہیں"

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) کے رقمطراز ہیں: "أن البدعة على ضربين: فبدعة صغرى كغلو التشيع، أو كالتشيع بلا غلو ولا تحرف، فهذا كثير في التابعين وتابعيهم مع الدين والورع والصدقفلو رد حديث هؤلاء لذهب جملة من الآثار النبوية، وهذه مفسدة بينة" (۲۴)

ترجمہ: "بدعت دو اقسام ہیں ایک چھوٹی بدعت ہوتی ہے، جیسے تشیع میں غلو کرنا، یا صرف تشیع رکھنا بغیر غلو اور بغیر انحراف کے۔ اور اس قسم کے لوگ (یعنی بغیر غلو والے شیعہ) تابعین اور ان کے بعد آنے والوں میں بڑی تعداد میں تھے، باوجود اس کے کہ وہ دین دار، پرہیز گار اور سچے لوگ تھے۔ لہٰذا اگر ایسے لوگوں کی حدیثیں رد کر دی جائیں تو نبی کریم ﷺ کی بہت سی احادیث ختم ہو جائیں گی، اور یہ ایک واضح بڑا نقصان ہے۔"

ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "يُطْلَقُ فِي عرفِ الْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ مِنَ الْخَلَفِ وَالسَّلَفِ عَلَى أَتْبَاعِ عَلِيٍّ وَبَنِيهِ" (۲۵)

ترجمہ: "سلف وخلف کے فقہاء و متکلمین کے ہاں شیعہ کا اطلاق سیدنا علی اور ان کی اولاد کے پیروکاروں پر کیا جاتا ہے۔"

صحیح بات یہ ہے کہ شیعہ ہر اس آدمی کو کہتے ہیں جس نے سیدنا علی کو ان سے قبل والے خلفاء راشدین پر فوقیت دی اور یہ خیال کیا کہ اہل بیت خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔(۲۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: "التشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقادتفضیل علی علی عثمان,وأن علیاکان مصیبا فی حروبه وأن مخالفه مخطئ مع تقدیم الشیخین وتفضیلهما,وربمااعتقد بعضهم أن علیاأفضل الخلق بعدرسول الله صلی الله علیه آله وسلم" (۲۷)

ترجمہ: "متقدمین کے عرف میں تشیع سے مراد یہ تھا کہ سیدنا علیؓ کو سیدنا عثمانؓ پر فضیلت دی جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ حضرت علیؓ اپنی جنگوں میں حق پر تھے اور ان کے مخالف غلطی پر تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو مقدم اور افضل مانتے تھے۔ اور بعض لوگ یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا علیؓ تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔"

درج بالا تحقیق سے معلوم ہوا تمام تعریفیں (Definitions) اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں کیونکہ ہر امام نے اپنے اپنے دور کو مد نظر رکھتے ہوئے شیعہ کی تعریف پیش کی ہے۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل مانتا ہے، انہیں اور ان کی اولاد کو رسول اللہ ﷺ کے بعد امامت وخلافت کا زیادہ حق دار خیال کرتا ہے اور انہی کے لائق اتباع ہونے کا نظریہ رکھتا ہے تو ایسا شخص شیعہ کہلائے گا چاہے اس کے نظریات جو بھی ہوں۔

## ابتدائی شیعہ کے نظریات

دور اول کے شیعہ کو چار گروہوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

پہلا گروہ: یہ مخلص لوگ تھے، صحابہ کرام وازواج مطہرات کا ادب کرنے والے تھے اس کے ساتھ ساتھ سیدنا علیؓ کے ساتھ ہر دم قدم بقدم رہے۔ انہیں شیعان مخلصین کہا جاتا ہے۔ یہ گمراہ عقائد سے محفوظ تھے۔(۲۸)

دوسرا گروہ: "الْمُفَضِّلَةُ" کا ہے۔ ان کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ (م۷۲۸ھ) لکھتے ہیں "الَّذِينَ يُفَضِّلُونَهُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ" (۲۹) "یعنی وہ لوگ جو سیدنا علیؓ کو سیدنا ابو بکر وعمر سے افضل قرار دیتے تھے" حالانکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لَاأَجِدُأَحَدًافَضَّلَنِي عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ إِلَّا جَلَدْتُهُ حَدَّ الْمُفْتَرِي" (۳۰) "یعنی میں کسی کو نہیں پاتا جو مجھے سیدنا ابو بکر وعمر پر فضیلت دے سوائے اس کے میں اسے افتراء کی سزا دوں"

تیسرا فرقہ: تبرائی شیعہ کا ہے جنہیں سبَئیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ صحابہ کرام کو غاصب، ظالم اور منافق وغیرہ کہتے اور مانتے تھے۔ سیدنا علی کا سیدہ عائشہ، سیدنا طلحہ اور زبیر ومعاویہ کے ساتھ تنازعہ ان کے مذہب کے لیے محرک ثابت ہوا۔ "سیدنا علی خطبوں میں ان سے اظہار بیزاری کرتے تھے۔"(۳۱)

چوتھا فرقہ: غالی شیعوں کا تھا جو سیدنا علی کی الوہیت کا قائل تھا۔(۳۲) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو زندہ جلا دیا تھا۔(۳۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان آخری تین کو وقتی طور پر دبا دیا تھا۔ لہذا قرون اولی کے شیعہ بعد کے شیعہ سے مختلف تھے۔ اس دور میں اختلاف صرف اس حد تک رہ گیا تھا کہ سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ میں سے افضل کون ہے۔ اس بارے میں امام ذہبیؒ (م۷۴۸ھ) لکھتے ہیں: "وَكَانَ السّلف متفقین علی تَقْدِیم أبي بکر وَعمر حَتَّى شیعَة عَلیّ رَضِي الله عَنهُ" (۳۴) "یعنی سلف اس بات پر متفق تھے کہ سیدنا ابو بکرؓ وعمرؓ کو فضیلت دی جائے، یہاں تک کہ ابتدائی شیعہ علیؓ سے محبت کے باوجود بھی یہی مانتے تھے۔"

### رافضی کا تعارف

”رافضی کے معنی ”تتر بتر ہونا، بکھر جانا، منتشر ہونا اور تعصب برتنا ہے“۔(۳۵)

امام ابن تیمیہؒ(م۷۲۸ھ)منہاج السنہ میں لکھتے ہیں: "وَمِنْ زَمَنِ خُرُوجِ زَيْدٍ افْتَرَقَتِ الشِّيعَةُ إِلَى رَافِضَةٍ، وَزَيْدِيَّةٍ، فَإِنَّهُ لَمَّا سُئِلَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، فَتَرَحَّمَ عَلَيْهِمَا رَفَضَهُ قَوْمٌ، فَقَالَ لَهُمْ: رَفَضْتُمُونِي. فَسُمُّوا رَافِضَةً لِرَفْضِهِمْ إِيَّاهُ، وَسُمِّيَ مَنْ لَمْ يَرْفُضْهُ مِنَ الشِّيعَةِ زَيْدِيًّا، لِانْتِسَابِهِمْ إِلَيْهِ" (۳۶)

ترجمہ: ”اور زید بن علی کے خروج کے زمانے سے شیعہ دو گروہوں میں بٹ گئے: رافضہ اور زیدیہ۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب ان سے سیدنا ابو بکر و عمر فاروق کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے ان دونوں کے لیے رحمت کی دعا کی۔ اس پر ایک جماعت نے انہیں چھوڑ دیا۔ تو انہوں نے ان سے کہا(رَفَضْتُمُونِي) تم نے مجھے چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ لوگ ”رافضہ“ کہلائے، کیونکہ انہوں نے ان کو ترک کر دیا تھا۔ اور جو شیعہ انہیں چھوڑ کر الگ نہ ہوئے، وہ ”زیدیہ“ کہلائے، کیونکہ وہ ان کی طرف منسوب تھے۔“

امام ذہبیؒ(م۷۴۸ھ) کہتے ہیں: "بدعة كبرى، كالرفض الكامل والغلو فيه، والحط على أبي بكر وعمر رضي الله عنهما، والدعاء إلى ذلك"(۳۷)

ترجمہ: ”بدعت کبریٰ یہ ہے، جیسے مکمل رافضیت اختیار کی جائے، اس میں حد سے بڑھ جانا(یعنی غلو کرنا) اور سیدنا ابو بکر و عمر پر طعن کرنا اور لوگوں کو بھی اس کی طرف بلانا۔“

ابن خلدون(م۸۰۸ھ) اپنی کتاب تاریخ ابن خلدون میں لکھتے ہیں: "ولمّا ناظر الإماميّة زيدا في إمامة الشّيخين ورأوه يقول بإمامتهما ولا يتبرّأ منهما رفضوه ولم يجعلوه من الأئمّة وبذلك سمّوا رافضة"(۳۸)

ترجمہ: ”(جب امامیہ (شیعہ اثناعشریہ) نے زید (بن علی) سے شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی امامت کے بارے میں مناظرہ کیا، اور دیکھا کہ وہ ان دونوں کی امامت کو تسلیم کرتے ہیں اور ان سے براءت (لاتعلقی) نہیں کرتے، تو انہوں نے زید (بن علی کو) اپنے ائمہ میں شمار نہیں کیا۔ اسی وجہ سے وہ 'رافضہ' کہلائے)“

قاضی سلیمان منصور پوری(م۱۹۳۰ء) اپنی کتاب رحمۃ اللعالمین میں لکھتے ہیں: ”جب امام زید الشہید بن امام زین العابدینؒ کے مقابلے میں یوسف ثقفی لشکر لایا تو یہ سب لوگ امام کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو زید الشہید بن امام زین العابدینؒ نے فرمایا: "رَفَضُونَا الْيَوْمَ" (آج انہوں نے ہمیں رد کر دیا) تو اس دن سے رافضی کا لفظ نکلا۔ آپ پندرہ صفر ۱۲۱ھ کو اسی جنگ میں شہید ہوئے۔“(۳۹)

### شیعہ سے اخذ حدیث کا حکم

پہلے ذکر گزر چکا ہے کہ قرون اولی کے شیعہ بعد کے دور کے شیعہ سے بہت مختلف تھے، اُس دور میں اختلاف صرف اتنا رہ گیا تھا کہ سیدنا عثمان و علی رضی اللہ عنہم میں سے افضل کون ہے؟ چنانچہ کثیر اہل علم نے کہا ہے کہ متقدمین میں سبھی شیعہ متفقہ طور پر شیخین کی تفضیل کے قائل تھے۔(۴۰) رہا سیدنا عثمان و علی کا مسئلہ تو جمہور اہل سنت کے نزدیک یہ کوئی ایسا بنیادی مسئلہ نہیں جس میں فریق مخالف کو گمراہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ بعض سلف نے اس مسئلہ (تفضیلِ عثمان) میں جمہور اہل السنہ کا اتفاق ہونے کے باوجود توقف اختیار کیا ہے۔ لہذا تفضیلی شیعہ کی علی الاطلاق تکفیر نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہ(م۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

"وَأَمَّا السَّلَفُ وَالْأَئِمَّةُ فَلَمْ يَتَنَازَعُوا فِي عَدَمِ تَكْفِيرِ "الْمُرْجِئَةِ" وَ"الشِّيعَةِ" الْمُفَضِّلَةِ"(۴۱)

ترجمہ:''سلف صالحین اور آئمہ کرام میں مرجئہ اور تفضیلی شیعہ کی عدم تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں۔''

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ: شیعانِ اولی (جن میں اہل سنت اور اہل تفضیل شامل ہیں) کو پہلے شیعہ ہی کہا جاتا تھا مگر جب غلاۃ، روافض، زیدیوں اور اسماعیلیوں نے اپنے لیے شیعہ کا لقب اختیار کر لیا اور ان کے اعمال وعقائد کی قباحتیں ظاہر ہوئیں تو حق و باطل کے مختلط ہو جانے کے خطرے کے پیش نظر فرقہ سنیہ اور تفضیلیہ نے اس لقب کو اپنے لیے ترک کر دیا اور اس کی جگہ اہل السنۃ والجماعۃ کا لقب اختیار کیا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جانی چاہیے کہ کتب رجال میں جو یہ الفاظ ''فلان من الشیعۃ'' مذکور ہیں تو یہ اپنی جگہ درست ہیں کیونکہ پہلے ایسے حضرات کا یہی لقب تھا، یہ حضرات گمراہ نہیں تھے بلکہ سیدنا علی کی رفاقت و معاونت کی وجہ سے شیعانِ علی رضی اللہ عنہ کہلاتے تھے۔ ۴۲ اس تشیع سے ہرگز موجودہ دور کے شیعہ یا ان جیسے عقائد رکھنے والے رواۃ مراد نہیں۔ حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) ''تشیع'' اور ''رفض'' کے مدارج میں لکھتے ہیں:

"والتشيع محبّة علي وتقديمه على الصحابة فَمن قدمه على أبي بكر وَعمر فَهُوَ غال فِي تشيعه وَيُطلق عَلَيْهِ رَافِضِي وَإِلَّا فشيعي فَإِن انضاف إِلَى ذَلِك السب أَو التَّصْرِيح بالبغض فغال فِي الرَّفْض وَإِن اعْتقد الرّجْعَة إِلَى الدُّنْيَا فأشد فِي الغلو"(۴۳)

بیان کردہ عبارت سے درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

۱۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور انہیں دوسرے صحابہ پر مقدم کرنا۔ (تشیع)

۲۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) سے افضل سمجھنا۔ (تشیع میں غلو ہے اور اسے رافضی کہا جائے گا)

۳۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے ساتھ دیگر صحابہ پر سب و شتم اور کھلم کھلا نفرت کا اظہار ہو تو (غالی رافضی)

۴۔ رجعت (سیدنا علیؓ کے دنیا میں دوبارہ واپس لوٹ آنے) کا عقیدہ ہو تو (غلو کی اور زیادہ شدید صورت)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ متقدمین شیعہ جو غالی ہیں، نہ وہ شیخین پر تبرا کرتے ہیں اور نہ ہی وہ کذب بیانی کرتے ہیں تو ان کی بدعت کے باوجود ان سے روایت لینا جائز ہے اور ''رفض'' لائق اخذ حدیث نہیں ہیں۔

**شیعہ راوی سے اخذ روایت میں امام بخاری کا منہج**

گذشتہ سطور میں یہ بات گزر چکی ہے کہ بدعت مکفرہ کے مرتکب راوی سے روایت نہ لینے میں محدثین کا اتفاق ہے۔ لیکن جب ہم صحیح بخاری کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ایسے رواۃ بھی دکھائی دیتے ہیں جن پر بدعت مکفرہ کے مرتکب ہونے کا الزام ہے۔ حالانکہ نہ صرف امام صاحب کا یہ دعوی ہے ۴۴ بلکہ امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ صحیح بخاری کی تمام مسند احادیث نہ صرف صحیح ہیں بلکہ صحت کے اعلی درجہ پر فائز ہیں ۴۵ اور واجب العمل ہیں۔ امام صاحب نے ایسے رواۃ سے روایت کیوں لی اور ان روایات کو صحیح کیوں تسلیم کیا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب دینے سے قبل چند امور کا جاننا ضروری ہے تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو۔

**امام بخاری کا منہج صحیح روایت نقل کرنا ہے نہ کہ غیر مجروح راوی کی روایت**

امام بخاری نے کہیں یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ صرف اعلی پائے کہ ایسے ثقہ اور عادل راوی ہی سے روایت ذکر کریں گے جو عقائد و اعمال میں غیر مجروح ہو گا۔ بلکہ امام صاحب کا منہج یہ ہے کہ وہ صرف صحیح روایت ہی نقل کریں گے۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں:

"مَا أدخلت فِي هَذَا الْكتاب يَعْنِي جَامعه إِلَّا مَا صَحَّ" (۴۶)

ترجمہ: ”میں نے اپنی کتاب ’الجامع‘ میں صرف صحیح احادیث ہی شامل کی ہیں۔“

راوی کی ثقاہت اور روایت کی صحت میں فرق ہے۔ کسی راوی پر کسی محدث کے جرح کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے مروی تمام روایات ہی ضعیف ہیں۔ کیونکہ بعض رواۃ کا حکم مختلف حالات و اوقات میں مختلف ہوتا ہے۔ کسی استاذ سے روایت میں ضعیف ہوتا ہے تو کسی سے روایت میں ثقہ، کسی علاقے کے لوگوں سے اخذ روایت میں وہ قابل اعتبار ہوتا تو دوسرے علاقے کے اساتذہ میں ناقابل اعتبار۔ ایسے رواۃ کی وجہ سے صحیح بخاری کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔

**امام بخاری کا متکلم فیہ رواۃ کی صحیح احادیث کا انتخاب کرنا**

امام بخاریؒ ایسے راوی کی تمام روایات میں سے صحیح احادیث کا انتخاب کرکے انہی کو اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام زیلعی (م ۷۶۲ھ) رقمطراز ہیں:

"وَلَكِنَّ صَاحِبَي الصَّحِيحِ رَحِمَهُمَا اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَا لِمَنْ تُكُلِّمَ فِيهِ، فَإِنَّهُمْ يَنْتَقُونَ مِنْ حَدِيثِهِ مَا تُوبِعَ عَلَيْهِ، وَظَهَرَتْ شَوَاهِدُهُ، وَعُلِمَ أَنَّ لَهُ أَصْلًا، وَلَا يَرْوُونَ مَا تَفَرَّدَ بِهِ، سِيَّمَا إِذَا خَالَفَهُ الثِّقَاتُ" (۴۷)

ترجمہ: ”امام بخاری و مسلم جس کسی متکلم فیہ راوی کی حدیث نقل کرتے ہیں تو اس کی وہی احادیث منتخب کرتے ہیں جن میں اس راوی کی متابعات موجود ہوں اور شواہد ان کے سامنے ہوں، شیخین کو اس روایت کی اصل بھی معلوم ہو۔ دونوں ایسے روای کی منفرد روایت کو، بالخصوص جب ثقات اس کی مخالفت کریں، روایت نہیں کرتے۔“

**عالی سند پر اکتفا کرنا**

امام بخاری بعض دفعہ اوثق راوی کی موجودگی میں کمتر ثقہ یا متکلم فیہ راوی کی روایت کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ کمتر ثقہ راوی کی روایت اوثق راوی کی روایت سے عالی (یعنی سلسلہ سند میں واسطوں کی تعداد کم) ہوتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ امام صاحب ضعیف رواۃ سے روایات لیتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک حدیث کی مختلف صحیح اسناد میں سے عالی کا انتخاب کرتے ہیں۔

جیسا کہ امام حازمی (م ۵۸۴ھ) لکھتے ہیں: ”بسا اوقات امام بخاری کے نزدیک کوئی حدیث صحیح ثابت ہوتی ہے اور اس کی بعض اسناد دیگر اسناد کی نسبت عالی ہوتی ہیں تو آپ زیادہ صحیح سند سے اس کے نازل (سلسلہ سند میں راویوں کی تعداد کے زیادہ) ہونے کی وجہ سے یا یکسانیت والی اسانید کے تکرار سے اکتا کر کنارہ کشی کر لیتے ہیں۔“ (۴۸)

**اصول و متابعات اور شواہد میں مذکور صحیح بخاری کے رواۃ کے مابین فرق**

امام بخاریؒ نے رواۃ سے نقل حدیث میں یہ اہتمام کیا ہے کہ اصول میں صرف انہی رواۃ سے روایت لی جائے گی جو ہر اعتبار سے ثقہ و عادل ہیں، اگر کسی میں کوئی ضعف پایا جاتا ہو تو اس کی روایت کو اصول میں ذکر کرنے کی بجائے متابعات و شواہد میں لے آتے ہیں۔ ابن رجب حنبلیؒ (م ۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:

"أَنَّهُ قَدْ يُخْرِجُ فِي الصَّحِيحِ لِبَعْضِ مَنْ تُكُلِّمَ فِيهِ، إِمَّا مُتَابَعَةً وَاسْتِشْهَادًا، وَذَلِكَ مَعْلُومٌ" (۴۹)

ترجمہ: ”یہ معلوم ہے کہ امام صاحب متابعات و شواہد میں متکلم فیہ رواۃ کی روایت بھی لے آتے ہیں۔“

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) بخاری و مسلم کے رواۃ کے متعلق لکھتے ہیں: "مَن أَخرَج له الشيخان عَلَى قسمين:- أحدهما: ما احتجَّا به في الأصول.- وثانيهما: مَن خرَّجا له متابعةً وشَهادَةً واعتباراً. فَمَن احتجَّا به -أو أحدُهما- ولم يُوثَّق، ولا غُمِزَ:

فهو ثقة، حديثُه قويٌّ. ومَن احتجّا به - أو أحدُهما - وتُكُلِّم فيه: فتارةً يكون الكلامُ فيه تعنُّتاً، والجمهورُ على توثيقِه، فهذا حديثُهُ قويٌّ أيضاً. وتارةً يكون الكلامُ في تليينِهِ وحِفظِهِ له اعتبار. فهذا حديثُه لا يَنحطُّ عن مرتبة (الحسَن) التي قد نُسمِّيها: (من أدنى درجات الصحيح). فما في "الكتابين" بحمد الله رجلٌ احتجَّ به البخاريُّ أو مسلمٌ في الأصولِ ورواياتُه ضعيفة، بل حَسَنةٌ أو صحيحة. ومن خرَّجَ له البخاريُّ أو مسلمٌ في الشواهد والمتابَعات، ففيهم مَن في حِفظِه شيء، وفي توثيقه تردُّد" (۵۰)

ترجمہ: "امام بخاری و مسلم نے دو قسم کے رواۃ سے روایات نقل کی ہیں: ایک وہ جن سے اصول میں روایت لی اور دوسرے وہ جن سے شواہد و متابعات میں روایت نقل کی۔ ان میں سے جس راوی پر کسی نے جرح و تعدیل نہیں کی تو وہ ثقہ ہے اور اس کی حدیث بھی قوی ہے اور جس پر کسی امام نے کلام کیا ہو لیکن جمہور اس کی توثیق کے قائل ہوں تو ایسے راوی کی روایت بھی قوی ہے۔ بخاری و مسلم نے اصول میں کسی بھی ایسے راوی کی روایت ذکر نہیں کی جس کی تمام روایات ضعیف ہوں، بلکہ اس کی حدیث حسن یا صحیح ہوں گی اور جن رواۃ سے انہوں نے متابعات و شواہد میں روایت لی ہے تو ان میں بھی ایسے راوی موجود ہیں جن میں سے کسی کے حافظے میں کلام ہے یا اس کی توثیق میں تردد ہے۔"

تو معلوم ہوا کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں جو حدیث "اصول" میں حجت کے طور پر لائی گئی ہے وہ ضعیف نہیں ہوتی کم از کم حسن یا اکثر صحیح ہوتی ہے۔ اور جن راویوں سے صرف "متابعت و شواہد" میں روایت لی گئی ہے ان میں سے ہلکی کمزوری ممکن ہے۔ مگر وہ اصل بنیاد نہیں۔

### رواۃ صحیح بخاری کی ثقاہت اور ان پر جرح کا غیر مؤثر ہونا

حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "لِكُلِّ مُنْصِفٍ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ تَخْرِيجَ صَاحِبِ الصَّحِيحِ لِأَيِّ رَاوٍ كَانَ مُقْتَضِيًا لِعَدَالَتِهِ عِنْدَهُ وَصِحَّةِ ضَبْطِهِ وَعَدَمِ غَفْلَتِهِ، وَلَا سِيَّمَا مَا انْضَافَ إِلَى ذَلِكَ مِنْ إِطْبَاقِ جُمْهُورِ الْأَئِمَّةِ عَلَى تَسْمِيَةِ الْكِتَابَيْنِ بِالصَّحِيحَيْنِ" (۵۱)

ترجمہ: "ہر منصف مزاج کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ امام بخاری کا کسی راوی کی روایت کو ذکر کرنا ان کے ہاں اس راوی کی عدالت، صحت حفظ اور عدم غفلت کا مقتضی ہے، بالخصوص جبکہ ان کے اس حکم کے ساتھ جمہور آئمہ کا ان دونوں کتابوں کا نام صحیحین رکھنے پر اتفاق کیا ہے۔"

درج بالا عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے:

- امام بخاری و مسلم سے جن رواۃ سے احادیث لی ہیں ان کا انتخاب اتفاقی نہیں بلکہ سخت علمی معیار کے تحت ہے۔
- اس انتخاب سے ان کی عدالت، ضبط اور اعتماد واضح ہوتا ہے۔
- امت کے جمہور علماء و محدثین نے انہیں صحیحین قرار دیا ہے۔

### صحیح بخاری کے تشیع سے متہم رواۃ اور ان سے اخذ حدیث میں امام بخاری کا منہج

صحیح بخاری کے بدعت تشیع سے متہم رواۃ مختلف مقام و مرتبے کے حامل ہیں، کوئی ان میں غالی ہے تو غیر داعی اور بعض ایسے بھی ہیں جن پر تشیع کا اتہام کوئی حقیقت نہیں رکھتا، وہ اس بدعت سے محفوظ ہیں۔ یہاں ہم ان شیعہ رواۃ کا تذکرہ کریں گے جن پر کسی نہ کسی انداز میں صرف تشیع کا اتہام ہے یا پھر ان پر رافضیت کا اتہام ہے لیکن ان پر اتہام رفض ثابت نہیں بلکہ ان میں مطلقاً تشیع پائی جاتی ہے۔ تو ایسے رواۃ کا ہم ایک جائزہ پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ ان میں سے کتنے

راوی حقیقت میں شیعہ ہیں اور ان سے اخذ حدیث میں امام بخاری کا کیا منہج ہے ؟ صحیح بخاری کے رواۃ پر لکھی گئی کتب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری نے کسی نہ کسی انداز میں تشیع سے متہم اکیس رواۃ سے روایت لی ہے۔ ان میں سے گیارہ راوی ایسے ہیں جن پر تشیع کا اتہام ثابت نہیں ہے وہ اس اتہام سے بری ہیں جن میں سے امام بخاری نے دس رواۃ سے صحیح بخاری میں روایات ذکر کی ہیں اور تشیع سے متہم صحیح بخاری کے ایک راوی امام عبد الرزاق بن ہمام (صاحب المصنف) سے ان کا تائب ہونا ثابت ہے(۵۲)۔ لہٰذا ان رواۃ سے اخذ حدیث میں محدثین کے ہاں کوئی قباحت اور اعتراض نہیں ہے۔ صحیح بخاری کے دیگر رواۃ میں سے چار سے خفیف طور پر بدعت تشیع کا ثبوت ملتا ہے جو کہ اقوال آئمہ کے مطابق حقیقت میں حب علی ہے جو کہ اہل کوفہ کا عمومی عنصر ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں :

> ”کوفیوں میں سیدنا عثمان سے انحراف اور سیدنا علی سے محبت پائی جاتی ہے۔ ان کے سلف حضرت علی کے شیعہ اور ان کے مددگار تھے۔ ہم اہل سنت خلفائے اربعہ سے محبت و تعلق خاطر رکھتے ہیں۔ پھر شیعان عراق میں سے ایک گروہ وہ ہے جو عثمان و علی دونوں سے محبت رکھتے ہیں، لیکن سیدنا علی کو سیدنا عثمان پر فضیلت دیتے ہیں اور حضرت علی کے حربی مخالفین کے لیے استغفار کرنا پسند نہیں کرتے۔ یہ خفیف تشیع ہے۔“(۵۳)

ہم نے خفیف تشیع سے مراد وہ رواۃ لیے ہیں جو عثمان و علی دونوں سے محبت رکھتے ہیں، لیکن سیدنا علی کو عثمان پر فضیلت دیتے ہیں اور اگر معاملہ یہیں تک محدود ہو تو اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا کیونکہ سیدنا عثمان و علی کے مابین فضیلت پر مبنی اس طرح کی کوئی حدیث نہیں ہے جس طرح کہ سیدنا ابو بکر و عمر کی بابت احادیث اور صحابہ کرام کی تصریحات موجود ہیں نیز صحابہ کرام کے مابین فضیلت کا معاملہ ایک اجتہادی معاملہ ہے جو شرائع اسلام سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ خفیف تشیع کو بدعت کہنے میں علمائے امت کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”سیدنا علی کی سیدنا عثمان پر فضیلت کی بابت اجتہاد کے متعلق سلف کی دو آراء ہیں: اول: یہ اجتہاد جائز نہیں جس شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان پر فضیلت دی وہ سنت سے بدعت کی طرف نکل گیا کیونکہ اس پر اجماع صحابہ ہے. دوم: جس شخص نے سیدنا علی کو سیدنا عثمان پر فضیلت دی اسے بدعتی نہیں قرار دیا جائے گا کیونکہ دونوں کی فضیلت کا معاملہ قریب قریب ہے، نیز سنت شریعت کا نام ہے اور شریعت اسے کہتے ہیں جسے اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم ایجابی یا حکم استحبابی دے کر دین قرار دیا ہو۔“(۵۴)

لہٰذا جب سیدنا عثمان و علی کے مابین فضیلت کا معاملہ یا دوسرے الفاظ میں خفیف تشیع بدعت ہی نہیں کہلاتی تو اگر امام بخاری نے اس کے مرتکب رواۃ سے اخذ حدیث کیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام بخاری نے خفیف بدعت تشیع سے متہم چار رواۃ سے حدیث لی ہے۔

### صحیح بخاری کے غالی شیعہ رواۃ

امام بخاری نے صرف ایک ایسے شیعہ راوی سے روایت لی ہے جو تشیع میں غالی ہے۔ یعنی ”عباد بن یعقوب“ جس کی تفصیلات اگلے پیراگراف میں آرہی ہیں۔ لیکن ان کے غالی شیعہ ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کے اندر ابو بکر و عمر کی تکفیر اور ان سے تبرا پر مشتمل متاخرین شیعہ کا غلو پایا جاتا تھا کیونکہ جس دور میں آپ پر غلو کا اتہام ہے اس دور کا غلو بھی دور

حاضر کی شیعیت کی روشنی میں در حقیقت تشیع خفیف ہی تھا۔ امام ذہبی (م ۷۴۸) لکھتے ہیں: "فالشیعی الغالی فی زمان السلف وعرفهم هو من تكلم فی عثمان والزبیر وطلحة ومعاویة وطائفة ممن حارب علیا رضی الله عنه. وتعرض لسبهم والغالی فی زماننا وعرفنا هو الذی یكفر هؤلاء السادة، ویتبرأ من الشیخین أیضاً، فهذا ضال معثر (۵۵)"

ترجمہ: "سلف صالحین کے دور اور عرف میں غالی شیعہ وہ تھا جو سیدنا علی کے خلاف محاذ آرائی کرنے والے گروہ اور سیدنا عثمان، زبیر، طلحہ اور معاویہ کے خلاف دشنام طرازی کرتا تھا، جبکہ ہمارے دور اور عرف میں غالی شیعہ وہ ہے جو ان سادات کی تکفیر کرتا اور شیخین (ابو بکر و عمر) سے اظہار برات کرتا ہے، لہذا یہ ہلاکت زدہ گمراہ ہے۔"

اس کے باوجود امام بخاری نے ان سے ایک روایت اور وہ بھی "مقرون (۵۶)" نقل کی ہے اور اس کا تعلق بھی آپ کی بدعت سے نہیں ہے، لہذا اگر امام بخاری نے ان سے ایک روایت لی ہے تو اس کے مقرون ہونے کی وجہ سے صحیح بخاری پر نقد نہیں کیا جا سکتا۔

**عباد بن یعقوب (م ۲۵۰ھ)**

**امام ابراہیم بن ابی بکر بن ابی شیبہ کا قول ہے:** "لولا رجلان من الشیعة ما صح لهم حدیث: عباد بن یعقوب، وإبراهیم بن محمد بن میمون" (۵۷)

ترجمہ: "اگر دو شیعہ (رجحان رکھنے والے) افراد نہ ہوتے تو ان (شیعہ راویوں) کی کوئی حدیث صحیح ثابت نہ ہوتی: عباد بن یعقوب اور ابراہیم بن محمد بن میمون۔"

یعنی بعض لوگ جن پر "تشیع" (شیعہ رجحان) کا الزام یا وصف لگایا گیا، ان میں سے کچھ راۃ ایسے تھے جن کی روایات کو محدثین نے معتبر سمجھا، اور اگر یہ دو مخصوص راوی نہ ہوتے تو ان کی روایات میں صحیح احادیث بہت کم یا نہ ہونے کے برابر ہوتیں۔ تشیع رجحان ہمیشہ حدیث کے رد کا سبب نہیں ہوتا۔ بلکہ محدثین راوی کی دیانت اور ضبط کو اصل معیار بناتے تھے۔

امام أبو حاتم الرازي (م ۲۷۷ھ) لکھتے ہیں: "کوفی شیخ" (۵۸)

امام دار قطنی (م ۳۸۵ھ) کے مطابق: "شیعی صدوق" (۵۹)

اور دوسرے مقام پر قول ہے: "شیخ ثقة" (۶۰) اور تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "رَوَى عَنه: البخاری حدیثا واحدا مقرونا بغیره" (۶۱) "امام بخاری نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے اکیلے نہیں بلکہ دوسرے راوی کو ساتھ ملا کر (یعنی بطور متابعت)"

علاء الدین مغلطای (م ۷۶۹ھ) اپنی کتاب إكمال تهذيب الكمال فی أسماء الرجال میں لکھتے ہیں: "ولما خرج الحاکم حدیثه قال: کان من الغالین فی التشیع إلا أن ابن خزیمة یقول: ثنا الصدوق فی روایته" (۶۲)

ترجمہ: "اور جب امام حاکم نے اس کی حدیث روایت کی تو کہا کہ وہ تشیع میں غلو کرنے والوں میں سے تھا، لیکن امام ابن خزیمہ کہتے ہیں میں نے اس سے حدیث بیان کی جو اپنی روایت میں سچا (صدوق) ہے"

حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: "صدوق رافضی حدیثه فی البخاری مقرون" (۶۳)

ترجمہ: "وہ سچا (صدوق) ہے، مگر رافضی ہے۔ اس کی حدیث بخاری میں مقرون (کسی اور راوی کے ساتھ ملا کر) آئی ہے۔"

## صحیح بخاری کے غیر غالی اور غیر داعی شیعہ رواۃ

شیعہ کے ان دونوں گروہوں خفیف درجے کے شیعہ اور غالی شیعہ کے علاوہ صحیح بخاری میں تشیع سے متہم ایک ایسا گروہ بھی ہے جس کے بارے میں یہ واضح نہیں ہو سکا کہ آیا انھیں خفیف درجے کے شیعہ میں شامل کیا جائے یا غالی میں، لیکن بہر حال ان میں غلو نہیں پایا جاتا، تو ایسے رواۃ کے بارے میں مطلقاشیعہ یا غیر غالی و غیر داعی شیعہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ صحیح بخاری میں ایسے رواۃ کی تعداد پانچ ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے دو رواۃ عبد الملک بن اعین، فطر بن خلیفہ سے متابعات و شواہد میں اور مقرون چند روایات ذکر کی ہیں۔ چونکہ ان سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متابعات و شواہد میں یا مقرون چند روایات ذکر کی ہیں، اس لیے ان کی صحیح بخاری میں موجودگی صحیح بخاری کی شان و منزلت کو گہن لگانے کا سبب نہیں بن سکتی۔ باقی صرف تین راوی خالد بن مخلد قطوانی، عبید اللہ بن موسیٰ اور عدی بن ثابت انصاری بچتے ہیں جن سے اخذ حدیث کا معاملہ امام بخاری کے خلاف نکتہ اعتراض بنتا ہے۔ امام صاحب نے ان سے ایک خاص اسلوب سے روایات نقل کی ہیں جس کی وجہ سے امام صاحب پر ان رواۃ سے اخذ حدیث قدغن کا باعث نہیں رہتا۔ ان تین میں سے خالد بن مخلد قطوانی اور عبید اللہ بن موسیٰ دونوں امام بخاری کے شیخ ہیں جن سے انھوں نے براہ راست بلاواسطہ روایات ذکر کی ہیں، لہٰذا آپ نہ صرف ان کے مقام و مرتبے اور ان کی بدعت کو زیادہ بہتر جانتے ہیں، بلکہ آپ ان کی بیان کردہ روایات سے بھی بخوبی آشنا ہیں کہ ان میں سے کون سی صحیح اور کون سی قابل جرح یا مردود ہے اور انھوں نے ان سے وہی احادیث نقل کی ہیں جن کی صحت لاریب اور وہ ان کی بدعت سے آلودہ نہیں ہیں، لہٰذا یہ دونوں راوی ان روایات میں ثقہ اور قابل حجت راوی ہیں۔ ان میں سے خالد سے امام بخاری نے انیس اور عبید اللہ سے بائیس روایات اصول میں نقل کی ہیں۔

تیسرے راوی عدی بن ثابت ہیں تو ان سے امام بخاری نے تیرہ روایات اصول میں نقل کی ہیں۔ ان سے اخذ حدیث میں امام بخاری نے یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ ان کی اصول میں مذکور اکثر روایات کو امام بخاری نے اصول میں ذکر کرنے سے پہلے انہی کی سند سے صحیح بخاری ہی میں دوسرے مقام پر شواہد و متابعات میں ذکر کیا ہے جس سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور پھر اس کی صحت ثابت کرنے کے بعد کسی دوسرے مقام پر وہ روایت اصول میں ذکر کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ امام بخاری نے ان سے اصول میں روایت ذکر کرتے ہوئے دوسری احتیاط یہ کی ہے کہ انھوں نے عدی بن ثابت کی اصول میں وہی روایات ذکر کی ہیں جو ان سے امام شعبہ جیسے ماہر و متعنت صاحب جرح و تعدیل نے روایت کی ہیں اور علم رجال اور جرح و تعدیل سے معمولی شناسائی رکھنے والے لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ امام شعبہ صرف ایسے راوی ہی سے روایت نقل کرتے ہیں جو نہ صرف ثقہ ہو بلکہ اس کی حدیث بھی مقام صحت کی حامل ہو۔

## شیعہ رواۃ سے اخذ حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

اخذ حدیث میں دیگر مبتدع رواۃ کی نسبت زیادہ احتیاط کا دامن تھاما ہے۔ شیعہ سے اخذ حدیث میں امام بخاری نے جو منہج اختیار کیا ہے اس کے نکات درج ذیل ہیں:

ا- امام بخاری بدعت تشیع سے متہم لیکن اس سے بری رواۃ، تشیع سے تائب اور خفیف تشیع (حب علی) کے مرتکب رواۃ سے، بشرطیکہ وہ ثقہ ہوں، بالاستیعاب بکثرت روایات ذکر کرتے ہیں۔ انھوں نے ان کی روایات کو اصول میں بھی بکثرت ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ان رواۃ کا مقام و مرتبہ عام اہل سنت رواۃ کے برابر ہے۔

۲- امام بخاری غالی شیعہ سے روایت لینے کے حق میں نہیں ہیں۔اگر کبھی کسی خاص مقصد کے پیشِ نظر ان سے روایت لینی پڑ جائے تو اسے مقرون ذکر کرنا پسند کرتے ہیں۔

۳- امام بخاری کسی داعی شیعہ راوی کی حدیث کو قبول نہیں کرتے۔یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری میں ایک بھی ایسے راوی کی روایت نہیں ہے جو شیعیت کا دائی ہو۔اگرچہ بعض رواۃ پر داعی ہونے کا اتہام ہے لیکن یہ اتہام ثابت نہیں ہے۔

۴- امام بخاری ایسے شیعہ راوی سے، جو غالی اور داعی نہ ہو، بالعموم شواہد و متابعات میں روایت کرتے ہیں۔ اگرچہ آپ ایسے راوی سے اصول میں بھی روایت لے آتے ہیں لیکن اس کے لیے چند شرائط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔یہ شرائط حسب ذیل ہیں:

اَ۔غیر غالی و غیر دامی شیعہ راوی ایسا ہوتا ہے جس سے براہ راست امام بخاری نے حدیث لی ہوتی ہے، جس کی بنا پر آپ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ اپنی بدعت میں غالی ہے اور انھیں کامل اطمینان ہوتا ہے کہ جو روایت اس نے بیان کی اس میں اس نے سہواً یا عمداً کسی غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔ایسے راوی کی روایت کو وہ اصول میں بھی ذکر کرتے ہیں۔

ب۔اگر ایسا شیعہ راوی آپ کا استاد نہ ہو تو پھر اس کے لیے یہ شرط ملحوظ رکھتے ہیں کہ اس شیعہ سے روایت کرنے والا ایسا ثقہ اور ماہر جرح و تعدیل امام ہو جو امام بخاری ہی کی مانند ان امور کا خیال رکھ کر روایت کرے کہ وہ شیعہ راوی نقل روایت میں کوئی دروغ گوئی نہ کرتا ہو، جیسے امام شعبہ ہیں۔

ج۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ اس غیر غالی و غیر دائی شیعہ راوی کی روایت اس کی بدعت کی مؤید نہ ہو۔

د۔اگر شیعہ راوی ان شرائط کے مطابق نہ ہو تو اس کی روایت کو اصول میں ذکر نہیں کرتے بلکہ اسے متابعات و شواہد میں یا پھر مقرون بیان کرتے ہیں۔

ھ۔شیعہ راوی حفظ و ضبط میں کامل اور ثقہ راوی ہو۔اگر اس کا حافظہ کمزور ہو یعنی وہ صدوق درجے کا راوی ہو تو اس کی روایت شواہد میں قبول کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

## حوالے


(۱) تمنا عمادی، محی الدین حیات الحق بن نذیر الحق، امام زہری و امام طبری تصویر کا دوسرا رخ، (کراچی: الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ، س ن)، ۳۰۷۔

(۲) الصنعانی، محمد بن اسماعیل، توضیح الأفکار لمعانی تنقیح الأنظار، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۷ء)، ۱: ۲۲۳؛ صباح، عبد الکریم اِسماعیل، الحدیث الصحیح و منہج علماء المسلمین فی التصحیح، (الریاض: مکتبۃ الرشد، ۱۹۹۸ء)، ۷۷۔

(۳) الخطیب بغدادی، أحمد بن علی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، (بیروت: دار الکتب العربی، ۱۹۸۵ء)، ۱۷۹۔

(۴) ابن ابی حاتم، عبد الرحمن بن ابی حاتم، الرازی، الجرح والتعدیل، (الھند: دائر المعارف العثمانیۃ، ۱۹۵۲ء)، ۲: ۱۶۔

(۵) الحاکم، محمد بن عبد اللہ، معرفۃ علوم الحدیث، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷ء)، ۱۰۶۔

(۶) ابن رجب الحنبلی، عبد الرحمن بن أحمد، شرح علل الترمذی، (الریاض: مکتبۃ الرشدم، ۲۰۰۱ء)، ۱: ۴۰۶۔

(۷) الخطیب بغدادی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، ۲۰۴۔

(۸) ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمن، ابو عمرو، علوم الحدیث المعروف ب مقدمۃ ابن الصلاح، (مکتبۃ الفارابی، ۱۹۸۴ء)، ۶۱۔

(۹) الجوھری، اسمائیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، (بیروت: دارالعلم للملایین، ۱۹۹۰ء)، ٦: ۳۸؛ الفیروزآبادی، مجدالدین، القاموس المحیط، (مصر: الھیئۃ المصریۃ، ۱۹۸۰ء)، ۴: ۱۳ مختصراً۔

(۱۰) الخطیب البغدادی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، ۱۰۱۔

(۱۱) ایضاً، ۱۰۳۔

(۱۲) ابن الوزیر، محمد بن ابراہیم، الروض الباسم فی الذب عن سنۃ أبی القاسم، دار عالم الفوائد، ط ن، ۱: ۵۵۔

(۱۳) ابن رجب الحنبلی، شرح علل الترمذی: ۱: ۵۳۔

(۱۴) الذھبی، محمد بن أحمد بن عثمان، شمس الدین، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، (بیروت: دارالمعرفۃ، ۱۹۶۳ء)، ۱: ۵

(۱۵) ابن رجب الحنبلی، شرح علل الترمذی، ۱: ۳۹۹۔

(۱٦) ایضاً: ۱: ۳۹۹۔

(۱۷) مسلم بن الحجاج، ابوالحسین القشیری النیسابوری، الجامع الصحیح، (الریاض: دارالسلام، ۱۹۹۸ء)، ۷۔

(۱۸) الفراھیدی، الخلیل بن احمد، کتاب العین، (دار مکتبۃ الھلال، ط، ن)، ۲: ۱۹۱۔

(۱۹) الفیومی، احمد بن محمد، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، (بیروت: المکتبۃ العلمیۃ، ط، ن)، ۱: ۳۲۹۔

(۲۰) ابن حزم، علی بن أحمد، الفصل فی الملل ولا أھواء والنحل، (القاھرۃ: مکتبۃ الخانجی، ط، ن)، ۲: ۸۹۔۹۰۔

(۲۱) القفاری، دکتور ناصر بن عبداللہ، اصول مذھب الشیعۃ الامامیۃ الاثنی عشریۃ، (دارالرضا للنشر، ط، ن)، ۵۰۔

(۲۲) ابن الاثیر، المبارک بن محمد، النھایۃ فی غریب الحدیث، (بیروت: المکتبۃ العلمیۃ، ۱۹۹۷ء)، ۲: ۵۱۹۔۵۲۰۔

(۲۳) ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، منہاج السنہ، (الریاض: جامعۃ الإمام محمد بن سعود الإسلامیۃ، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۰٦ھ)، ۱: ۱۳۔

(۲۴) ذہبی، شمس الدین، میزان الاعتدال، (بیروت۔لبنان: دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، الطبعۃ الأولی، ۱۳۸۲ھ)، ۱: ٦۔

(۲۵) ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، المقدمۃ، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط، ن)، ۱۹٦۔

(۲٦) عبدالقادر شیبۃ الحمد، ترجمہ: محمد شعیب، اقوام عالم کے ادیان و مذاہب، (سوہدرہ: مسلم پبلیکیشنز، ۲۰۰۷ء)، ۱۸۱۔

(۲۷) ابن حجر، تہذیب التہذیب، (الھند: مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الطبعۃ الأولی، ۱۳۲٦ھ)، ۱: ۹۴۔

(۲۸) دھلوی، شاہ عبدالعزی، تحفہ اثنا عشریہ، (کراچی: دارالاشاعت اردو بازار)، ۲٦۔۲۷۔

(۲۹) ابن تیمیہ، مجموعہ الفتاویٰ، مجمع الملک فھد لطباعۃ المصحف الشریف، (المدینۃ النبویۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ۱۴۱٦ھ)، ۱۳: ۳۴۔

(۳۰) ابن حجر، الھیتمی، أحمد بن محمد، الصواعق المحرقۃ علی اھل الرفض والضلال والزندقۃ، (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۷ء)، ۱: ۱۷۷۔

(۳۱) تحفہ اثنا عشریہ، ۲۷۔

(۳۲) ایضاً

(۳۳) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، استتابۃ المرتدین، باب حکم المرتد والمرتدۃ، ((الریاض: دارالسلام، ۱۹۹۹ء)، ح ٦۹۲۲۔

(۳۴) الذھبی، محمد بن احمد، المنتقی من منھاج الاعتدال فی نقض کلام اھل الرفض والاعتزال، (قاھرۃ: المطبعۃ السفیۃ، ط ن)، ۳٦۰ و ۳٦۱۔

(۳۵) القاموس الوحید، عربی اردو لغت، (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۱ء)، ٦۴۸۔

(۳٦) ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، منہاج السنہ، (جامعۃ الإمام محمد بن سعود الإسلامیۃ، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۰٦ھ)، ۱: ۳۵۔

(۳۷) ذہبی، شمس الدین، میزان الاعتدال، (بیروت۔لبنان: دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، الطبعۃ: الأولی، ۱۳۸۲ھ)، ۱: ٦۔

(۳۸) ابن خلدون، تاریخ، عبدالرحمٰن بن محمد، (بیروت: دار الفکر)، ۱: ۲۴۸۔

(۳۹) رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، (فیصل آباد: مرکز الحرمین الاسلامی)، ۲: ۳۷۵۔

(۴۰) ابن تیمیہ، أحمد بن عبدالحلیم، مجموع الفتاوی، دارالوفا، ۲۰۰۵ء، ۱۳: ۳۴؛ الذھبی، میزان الاعتدال، ۱: ۵

(۴۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ۳: ۳۵۱

(۴۲) القفاری، اصول مذھب الشیعۃ الإمامیۃ الإثنی عشریۃ، ۵۳۔۵۶۔

(۴۳) ابن حجر العسقلانی، أحمد بن علی، ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری (دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ)، ص ۴۶۰

(۴۴) الخطیب البغدادی، أحمد بن علی بن ثابت، تاریخ بغداد، (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، ۲: ۹؛ ابن عساکر، علی بن الحسن، تاریخ دمشق، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۸ء)۔

(۴۵) ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمن، صیانۃ صحیح مسلم من الإخلال والغلط، (بیروت: دار الغرب الإسلامی، ۱۴۰۸ھ)، ۸۶۔ ابن حجر العسقلانی، أحمد بن علی، النکت علی کتاب ابن الصلاح، (المدینۃ المنورۃ: الجامعۃ الإسلامیۃ، ۱۹۸۴ء)، ۱:۶۲۔

(۴۶) ابن عدی، عبد اللہ بن عدی، أسامی من روی عنھم محمد بن اسماعیل البخاری من مشایخہ، (دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)، ۵۱۔

(۴۷) الزیلعی، عبد اللہ بن یوسف، نصب الرایۃ لأحادیث الھدایۃ، (بیروت: مؤسسۃ الریان، ۱۹۹۷ء)، ۱: ۱۰۔

(۴۸) الحازمی، محمد بن موسی بن حازم، (مصر: شروط الائمۃ الخمسۃ، المکتبۃ الأزھریۃ، ۲۰۰۵ء)، ۶۲۔

(۴۹) ابن رجب، عبد الرحمٰن بن احمد، شرح علل الترمذی، (الزرقاء–الأردن: مکتبۃ المنار)، ۲: ۸۳۱۔

(۵۰) الذھبی، محمد بن أحمد، الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث، (حلب: مکتب المطبوعات، ۱۴۱۲ھ)، ۷۹۔۸۰۔

(۵۱) ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری، ۳۸۴۔

(۵۲) ابن عساکر، تاریخ دمشق، (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)، ۳۶: ۱۹۰۔

(۵۳) الذھبی، میزان الاعتدال: ۱: ۵۵۱۔۵۵۲۔

(۵۴) ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی: ۴: ۴۳۵۔۴۳۶۔

(۵۵) الذھبی، میزان الاعتدال، ۱: ۵۔

(۵۶) ایسی روایت جو کسی دوسرے راوی یا سند کے ساتھ ملا کر پیش کی گئی ہو، یعنی اکیلی نہیں بلکہ کسی دوسری روایت یا راوی کے ساتھ جڑی ہوئی ہو۔

(۵۷) عسقلانی، احمد بن علی، تھذیب التھذیب، (مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الھند، الطبعۃ الأولی، ۱۳۲۶ھ)، ۵: ۱۱۰۔

(۵۸) ابی حاتم، عبد الرحمٰن بن محمد، الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم، (بیروت: دار إحیاء التراث العربي، الطبعۃ: الأولی، ۱۲۷۱ھ)، ۶: ۸۸۔

(۵۹) تھذیب التھذیب، ۱: ۱۱۰۔

(۶۰) المزی، یوسف بن عبد الرحمٰن، تھذیب الکمال فی أسماء الرجال، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۰۰ھ)، ۱۴: ۱۷۷۔

(۶۱) ایضاً

(۶۲) مغلطای، علاء الدین، إکمال تھذیب الکمال فی أسماء الرجال، (الفاروق الحدیثۃ للطباعۃ والنشر، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۲۲ھ)، ۷: ۱۹۰۔

(۶۳) عسقلانی، احمد بن علی، تقریب التھذیب (شام: دار الرشید، الطبعۃ: الأولی ۱۴۰۶ھ)، ۲۹۱۔

❖❖❖